میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرعی حیثیت

میزان الرحمٰن علائی۔حال مقیم: جزیرہ انڈمان

میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی ایسا عنوان نہیں ہے جس پر کبھی کچھ نہ لکھا گیا ہو بلکہ بلاشبہ یہ تو ایک ایسا عنوان ہے جس پر کافی سے کچھ زیادہ ہی لکھا گیا ہے۔مثبت بھی اور منفی بھی۔پھر میں کیوں اس وقت آپ کو اس عنوان پر اپنی طرف سے کچھ پڑھنے کی زحمت دے رہا ہوں؟ شاید اس لئے کہ میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں؛ کچھ ایسی باتیں جو بلاشبہ اس سے پہلے بھی کہی گئی ہیں،اور خوبصورت انداز میں کہی گئی ہیں،مگر میں چاہ رہا تھا کہ اپنے صحرا والے حسین وجمیل آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت طیبہ پر بساط بھر نذرانہ عقیدت پیش کرنے کی سعادت میں بھی حاصل کروں؛اور پھر کیا پتہ!میری یہی کاوش میرے لئے ذریعہ نجات بھی بن جائے!تو چلئے،اگر زحمت گوارا کریں تو چلتے چلتے کچھ باتیں کر لیتے ہیں۔

میلا دالنبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کے سلسلے میں عام طور پر دوطرح کی باتیں کہی جاتی ہیں:ایک جواز کی،اور دوسری عدم جواز کی۔دونوں طبقے کی اپنی اپنی دلیلیں ہیں،اور ہونی بھی چاہئے!جب نظریات جداگانہ ہیں تو دلیلیں کیوں نہ جداگانہ ہوں گی؟اور دیکھا جائے تو فی نفسہ یہ کوئی بری بات بھی نہیں تھی کیونکہ علمی اور فروعی مسائل میں اختلاف تو عہد صحابہ ہی سے چلا آرہا ہے تاہم یہاں پر جو بات مجھے ذاتی طور پر کھٹکتی ہے اور جس کی بنا پر میں نے یہ چند سطریں لکھنے کا فیصلہ کیا ہے،وہ ہے دونوں طبقے کا غیر معتدل رویہ۔جو طبقہ میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواز کا قائل ہے وہ علی العموم محض جواز اور استحسان پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اپنے قول وعمل سے ایسا تاثر دیتا ہے کہ جولوگ میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجودہ ہیئت کے ساتھ منعقد نہیں کرنا چاہتے وہ کسی بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں بلکہ بسا اوقات تو انہیں محض اس عمل کی بنیاد پر اہل سنت سے خارج بھی کر دیا جاتا ہے؛اور دوسری طرف جولوگ میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منعقد نہیں کرتے وہ سرعام یہ کہتے پھرتے ہیں کہ میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانا ایک بدعت ہے اور چوں کہ ہر بدعت حرام ہوتی ہے اس لئے میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد بھی حرام ہے۔

یہاں گفتگو کو آگے بڑھانے سے پہلے یہ واضح کر دوں کہ میں ذاتی طور پر شرعی حدود کے اندر رہ کر نہ صرف میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواز بلکہ استحسان کا قائل ہوں،لیکن اس کا مطلب ہرگز بھی یہ نہیں ہے کہ جولوگ میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد نہیں کرتے،میں انہیں محض اُن کے اس عمل کی وجہ سے کسی گناہ کا مرتکب یا خارج از جماعت

اہل سنت سمجھتا ہوں؛ ہرگز نہیں۔ میرا ایسا ماننا ہے کہ فساد عقائد کے بغیر محض میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منعقد نہ کرنے کی وجہ سے کوئی بھی شخص اہل سنت سے خارج نہیں ہوتا۔ اگر کسی شخص نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں حدود شرع کے اندر رہ کر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منالیا تو ان شاء اللہ تعالی اُسے دنیا وآخرت میں بہتر اجر ملے گا، اور اگر نہیں منایا تو وہ اس سعادت سے محروم تو رہے گا لیکن اس کی وجہ سے اس کے بنیادی عقائد واعمال میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

جواز کی دلیلیں:

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تئیں ایک بنیادی اور تمہیدی گفتگو سے فارغ ہونے کے بعد اب میں نمبر وائز میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جائز بلکہ مستحسن ہونے کی کچھ دلیلیں پیش کرتا ہوں۔ آپ ٹھنڈے دماغ کے ساتھ یہ دلیلیں ملاحظہ فرمائیں، پھر خود فیصلہ کریں کہ دائرہ شرع کے اندر رہ کر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد جائز ہے یا نہیں؟

ا۔اس تعلق سے پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں فرمایا: ﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا، هُوَخَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾[1]۔یعنی: (اے محبوب!) آپ فرمادیجئے کہ (نزول قرآن وغیرہ محض) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے، تو مومنین کو چاہئے کہ وہ اس پر خوشیاں منائیں۔ یہ بات ان کے جمع کردہ دھن دولت سے بہتر ہے۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ کریم نے اہل ایمان بندوں کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ شکر الٰہی کے طور پر اللہ کریم کی رحمتوں پر خوشیاں منائیں۔ اب سوچنے والی بات یہ ہے کہ یوں تو ہم پر اللہ کریم کی اتنی ساری اور بڑی بڑی رحمتیں ہیں کہ ہم کبھی کبھی انہیں گن کر ختم نہیں کر سکتے تاہم ان تمام رحمتوں میں سب سے بڑی رحمت کیا ہے؟ تو اس تعلق سے خود قرآن کریم کا فیصلہ ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾[2] یعنی: اور (اے محبوب!) ہم نے آپ کو سارے جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا۔

اب آپ غور کیجئے کہ اللہ پاک نے سورہ: یونس کی آیت نمبر: ۵۸ر میں فرمایا کہ: مومنین کو چاہئے کہ وہ اللہ کی رحمت پر خوشیاں منائیں، اور سورہ: الانبیاء کی آیت نمبر: ۱۰۷ر میں فرمایا کہ: ساری کائنات کے لئے اللہ کریم کی ایک بہت بڑی رحمت اس کے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے؛ تو کیا اب ان واضح فرامین الٰہی کی روشنی میں یہ

بات ثابت نہیں ہو جاتی کہ شرعی حدود کے اندر رہ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یوم ولادت پر خوشیاں منانا نہ صرف جائز بلکہ فرمان الٰہی کے عین مطابق ہے؟؟

یہاں ایک قابل غور نکتہ یہ بھی ہے کہ سورہ: یونس کی آیت نمبر: ۵۸ر کے آخری حصے ﴿هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ﴾ سے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مومنین کے لئے اللہ کی رحمت پر خوشیاں منانا ان کے جمع کردہ دھن دولت سے بھی بہتر ہے؛ اور چوں کہ ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلا شک وشبہ اس کائنات رنگ و بو میں اللہ رب العزت کی سب سے بڑی رحمت ہیں لہٰذا ان کے یوم ولادت کے موقع پر جائز طریقے سے مسرت وشادمانی کا اظہار کرنا تمام طرح کے دھن دولت سے بھی زیادہ اچھا اور قابل ستائش عمل ہوا؛ اور جب یہ بات ہے تو پھر آپ کس طرح میلاد النبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کے مطلق جواز ہی کا انکار کر سکتے ہیں؟ بلکہ کس طرح اسے ناجائز وحرام تک بتا دیتے ہیں؟؟

رحمت الٰہی پر خوشیاں منانے کے تعلق سے نازل شدہ فرمان عالی شان میں ایک بہت ہی زیادہ لائق توجہ بات یہ بھی ہے کہ آیت کا آغاز لفظ ''قُــلْ'' سے کیا گیا ہے جو امر حاضر معروف کی گردان سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے، اور ضابطہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے اندر جہاں کہیں بھی لفظ ''قل'' یا صیغہ امر سے کوئی بات کہی جاتی ہے وہ نسبتاً زیادہ اہم اور قابل ترجیح ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چوں کہ اللہ پاک نے اپنی عطا کردہ رحمتوں اور نعمتوں پر خوشیاں منانے کا فرمان لفظ ''قُلْ'' سے جاری فرمایا ہے اس لئے یہ فرمان بھی دینی اور اصولی اعتبار سے کافی اہم ہے۔ اتنی تشریح کے بعد اب بطور نتیجہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ چوں کہ خاکدان گیتی کے لئے اللہ کریم کی سب سے بڑی رحمت اور نعمت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور رحمت الٰہی پر اظہار مسرت کا فرمان بطور تاکید پیش کیا گیا ہے اس لئے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کا مسئلہ نہ صرف جواز کے دائرے میں آتا ہے بلکہ عمل کے اعتبار سے یہ مسئلہ کافی زیادہ اہم اور قابل ترجیح ہے۔

۲۔ اللہ پاک نے قرآن حکیم کے اندر ایک جگہ ارشاد فرمایا: ﴿ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾[3] یعنی: سو اگر تم پر اللہ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم لوگ یقینی طور پر تباہ ہو جاتے۔ آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے امام واحدی (م: ۴۶۸ھ) لکھتے ہیں: ''﴿فلو لا فضل اللهِ عليكم ﴾ بتأخير العذاب عنكم ، وقيل: بمحمد صل الله عليه وسلم '[4]۔ یعنی: اگر تم سے عذاب کو مؤخر کر کے اللہ تم پر فضل نہ فرماتا (تو تم ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوتے)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: یہاں فضل و رحمت سے

مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔۔۔اور ہم نے ماقبل میں صراحت کے ساتھ یہ بات بیان کر دی ہے کہ اللہ کی رحمت اور فضل پر خوشیاں منانا نہ صرف جائز و مستحسن بلکہ منشاء الٰہی کے عین مطابق ہے،اور چوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی متذکرہ بالا آیت کی روشنی میں بھی خلق خدا کے لئے ایک بہت بڑی نعمت اور رحمت ہے لہذا ان کے یوم پیدائش پر خوشیاں منانا نہ صرف جائز ہوگا بلکہ بلاشبہ اجر جمیل کا باعث بھی بنے گا۔

۳۔میلا د النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواز بلکہ استحسان کے تعلق سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جس دن اللہ کریم کی طرف سے کوئی رحمت اور نعمت نازل ہو وہ دن انبیائے کرام کے نزدیک عید اور شادمانی کا دن ہوتا ہے۔مثال کے طور پر حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والتسلیم نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا:﴿رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوۡنُ لَنَا عِيۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنۡكَ﴾[5]۔یعنی:اے ہمارے رب!ہم پر آسمان سے خوانِ نعمت نازل فرما تاکہ وہ ہمارے لیے،ہمارے اگلوں اور پچھلوں کی عید بن جائے اور وہ خوان نعمت تیری طرف سے ایک نشانی ہو۔

آیت کریمہ میں حضرت عیسی علیہ السلام کی دعا کے یہ الفاظ﴿ تَكُوۡنُ لَنَا عِيۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا ﴾نہایت درجہ قابل غور ہیں۔حضرت عیسی علیہ السلام کی دعا کے یہ الفاظ واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ نزول رحمت کا دن صرف اُس رحمت سے براہ راست لطف اندوز ہونے والوں کے لئے عید اور خوشی کا دن نہیں ہوتا بلکہ ان کی اگلی اور پچھلی نسلوں کے لئے بھی وہ دن خوشی اور عید کا دن ہوتا ہے۔اور یہ بات ماقبل میں صراحت کے ساتھ بیان ہو چکی ہے کہ اللہ عزوجل کی بے شمار رحمتوں کے درمیان ایک بہت بڑی نعمت اور رحمت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات باوقار ہے لہذا جب حضرت عیسی علیہ السلام کی واضح تصریحات کے مطابق نزول خوان نعمت کا دن عید اور اظہار مسرت کا دن ہوسکتا ہے تو پھر سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کا دن کیوں عید اور اظہار خوشی کا دن نہیں ہوسکتا،جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا دن یقینی طور نزول خوان نعمت کے دن سے بھی زیادہ اہم اور متبرک ہے؟؟

نوٹ:یہاں ایک بات یہ بھی یاد رکھئے کہ کچھ حضرات یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ اسلامی ثقافت کے اندر تو ہمارے باپ دادا نے دو ہی عیدوں کے نام سنے تھے،عید فطر اور عید قرباں،یہ تیسری عید بنام''عید میلا د النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''کہاں سے آگئی؟تو اس بات کا بہت ہی خوبصورت جواب حضرت عیسی علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا میں موجود ہے۔غور کیجئے!آپ علیہ الصلوۃ والتسلیم نے کیا فرمایا؟یہی نا کہ:''اے ہمارے رب!ہم پر آسمان سے خوانِ نعمت نازل فرما؛تاکہ وہ ہمارے لیے،ہمارے اگلوں اور پچھلوں کی عید بن جائے''۔اس انداز دعا کا صاف مطلب یہ ہوا کہ جس دن اللہ کریم کی طرف سے اہل ایمان کے لئے کوئی خاص رحمت نازل ہوتی ہے وہ دن رحمت الٰہی کے اکرام

کی وجہ سے ''یوم عید'' بن جاتا ہے۔ عید فطر اور عید قرباں کا بھی یہی پس منظر ہے۔ عید فطر چوں کہ رمضان المبارک کے ثمرات کا دن ہوتا ہے اور عید قرباں دو ذیشان پیغمبروں کے بے نظیر ایثار کی یادگار، اسی بنیاد پر یہ دونوں ایام اسلام میں بطور عید یاد کئے جاتے ہیں؛ اور جب بات ایسی ہے تو رحمت ونوازش کی یہ لطیف ادائیں تو ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دن بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں، پھر وہ دن کیوں ''عید'' کے نام یا حیثیت سے تسلیم نہیں کیا جاسکتا؟

۴۔ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے قرآن حکیم میں فرمایا: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾[6]۔ یعنی: بیشک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ ہم سب پر اللہ کریم کی اتنی نعمتیں ہیں کہ ہم انہیں کبھی ہی شمار نہیں کر سکتے تاہم اللہ پاک نے اپنی کسی بھی نعمت کا نام لے کر اہل ایمان سے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ: اے جہاں بھر کے مومنو! میں نے تمہیں مثلا یہ نعمت عطا کر کے تم پر بڑا احسان کیا ہے؛ لیکن جب حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی بات آئی تو اللہ کریم نے صاف انداز میں فرمادیا کہ: بیشک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا۔ دلربائی کا یہ انداز بتا رہا ہے کہ اہل ایمان پر یوں تو اللہ عزوجل کی ان گنت نعمتیں سایہ فگن ہیں تاہم ان تمام نعمتوں میں جو سب سے بڑی نعمت ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات محترم ہے۔۔ اور نعمتوں کے تعلق سے اللہ کریم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت دی تھی: ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾[7]۔ یعنی: اور رہی بات اپنے رب کی نعمتوں کی، تو (ان کا) خوب خوب چرچا کیجئے۔ اتنی توضیحات کے بعد اب اگر ہم تمام مقدمات کو صحت کے ساتھ ترتیب دیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کریم کی سب سے بڑی نعمت ہیں، اور چوں کہ قرآن حکیم میں خود اللہ پاک نے اپنی نعمتوں کے بیان اور چرچا کا حکم دیا ہے اس لئے اگر کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کا ذکر کرتا ہے تو یہ ذکر نہ صرف جائز بلکہ حکم خداوندی پر عمل کی وجہ سے موجب برکات بھی ہے۔۔۔ اور جب بات ایسی ہے تو پھر میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد کیوں کر ممنوع ہو جائے گا؟؟

۵۔ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: وسئل عن صوم یوم الاثنین؟ قال: ذاک یوم ولدت فیه، ویوم بعثت''[8]۔ یعنی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوموار کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا (یعنی یہ کہ یارسول اللہ! آپ سوموار کے دن روزہ کیوں رکھتے ہیں؟) تو آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا: کیوں کہ میں اسی دن پیدا ہوا اور اسی دن میری بعثت عمل میں آئی۔

مذکورہ بالا حدیث کو پیش نظر رکھ کر ہم کہنا یہ چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے روزے کے لئے خصوصیت کے ساتھ سوموار کے دن کا انتخاب اور اہتمام کرنا کیا اس بات کی بین دلیل نہیں ہے کہ یوم ولادت پر شرعی حدود کے اندر رہ کر شکر الٰہی بجالانے کی کوشش کرنا خود مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے؟ اور چوں کہ ہمیں ہدایت جیسی عظیم ترین اور انمول نعمت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے صدقے میں نصیب ہوئی ہے اس لئے اگر کوئی امتی شکر الٰہی کے ساتھ اپنے نبی کی محبت اور عظمت نبوت کے احترام میں ''ولادت مصطفیٰ''، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دن ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہتمام کرتا ہے تو کیا اس کا یہ اہتمام عدم جواز کے دائرے میں داخل ہو جائے گا؟

یہاں کچھ حضرات کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا حدیث کو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کے جواز میں پیش کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ اس حدیث سے سوموار کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے نہ کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کا جواز۔ ہم بطور جواب یہ کہتے ہیں کہ: جناب! بیشک اس حدیث سے سوموار کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے مگر سوال یہ ہے کہ آخر وہ سبب کیا ہے جس کی بنا پر بروز سوموار روزہ رکھنے کی یہ فضیلت بتائی گئی ہے؟ ظاہر ہے کہ حدیث شریف میں اس فضیلت کے اسباب میں سے ایک سبب سوموار کا ''یوم پیدائش'' ہونا بھی بتایا گیا ہے۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ جب ''ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی برکت ''مسبب''، یعنی سوموار کے دن روزہ رکھنے میں موجود ہے تو کیا ''نفس سبب''، یعنی یوم ولادت میں ولادت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ برکت موجود نہ ہوگی؟ یہ کہاں کی منطق ہے کہ مسبب میں تو شئ کا اثر تسلیم کیا جائے لیکن سبب میں نہ کیا جائے؟ ارے بھئی! سوچنے والی بات ہے کہ اگر سبب ہی میں اثر موجود نہ ہو تو مسبب میں شئ کا اثر کہاں سے پیدا ہوگا؟ بارش میں بھیگنے کی وجہ سے آپ کو بخار آ گیا، اور اب آپ یہ کہیں کہ میرے جسم میں بخار ہے، یہ تو تسلیم ہے لیکن بارش میں بھیگنے کی وجہ سے بخار آیا ہے، یہ تسلیم نہیں ہے۔ بتایئے! یہ کہاں کی عقل مندی ہے؟ اگر سبب یعنی بارش میں بھیگنے کے اندر بخار پیدا کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی تو بھلا مسبب یعنی آپ کے جسم میں بخار کہاں سے لاحق ہو جاتا؟ بعینہ اسی طرح اگر سوموار کے دن میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی فضیلت سرایت نہ ہوتی تو اس دن روزہ رکھنے کی فضیلت کہاں سے متصور ہو پاتی؟ کہنے کا منشا یہ ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ: '' مذکورہ بالا حدیث کو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کے جواز میں پیش کرنا درست نہیں ہے کیوں کہ اس حدیث سے سوموار کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے

نہ کہ میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کا جواز' ' درست نہیں ہے؛ کیوں کہ سوموار کے دن روزہ رکھنے کی فضیلت ہی اس دن میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقع ہونے کی وجہ سے متصور ہے؛اور جب سوموار کے دن میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقع ہونے ہی کی وجہ سے اس دن روزہ رکھنے کی فضیلت تسلیم کی جاتی ہے تو کیا اُس دن نفس میلا دکا تذکرہ یااس مقصد سے محفل کا انعقاد درست نہیں ہوگا؟؟

٦۔میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواز کے سلسلے میں ایک بنیادی بات یہ ہے کہ فقہی اصول کے مطابق چیزوں کی اصل اباحت ہے۔چنانچہ مشہور فقہی ضابطہ ہے: **الأصل فی الأشیاء الاباحة حتی یدل الدلیل علی التحریم** ۔یعنی: چیزوں میں اصل ان کا مباح اور جائز ہونا ہے، جب تک کہ ان کی حرمت پر کوئی دلیل شرعی قائم نہ ہوجائے۔یہاں اگر چہ ایک رائے یہ بھی ہے کہ چیزوں کی اصل حرمت ہے تاہم جمہور کے نزدیک حتمی بات وہی ہے جو پہلے ذکر کی گئی،یعنی یہ کہ جب تک کسی چیز کی حرمت یا وجوب پر کوئی صحیح اور واضح نص قائم نہ ہوجائے تب تک وہ چیز جمہور علماء امت کے نزدیک جائز ہی رہتی ہے۔ بلفظ دیگر ایسی چیزوں کے بارے میں امت کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہےتو کرےاور چاہےتو نہ کرے۔

اتنی توضیحات کے بعد اگر آپ میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کو ناجائز یا حرام قرار دینا چاہیں تو آپ پر لازم ہے کہ آپ حرمت کے قول پر قرآن وحدیث سے کوئی واضح نص پیش کریں؛ کیا آپ ایسا کر سکتے ہیں؟ ہم جانتے ہیں کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے ،اور بھلا آپ ایسا کیونکر کر سکتے ہیں جب کہ آپ خود ہی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودہ ہیئت ایک دور مابعد کی ایجاد ہے۔ظاہر ہے کہ جب میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ محافل دور مابعد کی پیداوار ہیں تو پھر آپ ان کی حرمت پر کوئی واضح نص کبھی پیش کر ہی نہیں سکتے؛اور یہ بات تو آپ بھی جانتے ہیں کہ کوئی ایسی چیز جو دور مابعد کی پیداوار ہو،اُس میں جواز یا عدم جواز کا حکم نافذ کرنے کیلئے بنیادی طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ چیز کہیں ادلہ شرعیہ کی نقیض تو نہیں ہیں؟ یعنی اس چیز کی وجہ سے کہیں شریعت کے مزاج پر کوئی آنچ تو نہیں آرہی ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہےتو ہم اس چیز پر حرمت اور عدم جواز کا حکم نافذ کر دیتے ہیں،بصورت دیگر اس شئ کے جائز اور مباح ہونے میں کوئی کلام نہیں کیا جاتا۔اگر آپ حکم دیں تو میں خود آپ کے یہاں موجود بیسیوں چیزیں ایسی دکھادوں گا جنہیں آپ اباحت کے انہی اصول پر جائز اور مباح قرار دیتے ہیں،ورنہ زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دور صحابہ وتابعین کی بات تو رہنے ہی دیجئے،آئمہ مجتہدین کے زمانے میں بھی کہیں دور دور تک ان چیزوں کا نام ونشان تک نہیں تھا؛لیکن آپ انہیں بلاتردد جائز بلکہ بسا اوقات مستحسن تک گردانتے ہیں،اور بلاشبہ

درست گردانتے ہیں، کیوں کہ ان کے خلاف شرع اطہر میں کوئی واضح نص موجود نہیں ہے۔

مذکورہ بالا تشریحات کی روشنی میں اب میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جب جمہور کے نزدیک چیزوں کی اصل اباحت ہے اور اسی ضابطے کی بنا پر آپ اپنے گھر کی بیسیوں چیزیں جائز اور مباح قرار دیتے ہیں تو پھر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے میں آپ یہ بنیادی ضابطہ کیسے فراموش کر دیتے ہیں؟ کیوں ایسا ہوتا ہے کہ جب کبھی میلاد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات آجاتی ہے تو آپ محض ''بدعت بدعت'' کی رٹ لگا کر مخالفت پر اتر آتے ہیں؟ (ان شاء اللہ تعالی آنے والی فصل میں ہم بدعت کے نفس مفہوم اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدعت والے مفہوم پر تھوڑی بہت گفتگو کرنے کی کوشش کریں گے) کیا یہ بات اہل علم کو زیبا دیتی ہے کہ وہ اپنے گھریلو امور پر تو فقہی ضابطے بالکل مناسب طریقے سے جاری کریں لیکن جوں ہی دوسروں کی بات آجائے تو سارے اصول وقواعد بالائے طاق رکھ کر بے بنیاد پروپیگنڈہ کرنے لگ جائیں؟ چلیئے! آپ کو کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا! یہ تو آپ نے خود طے کرنا ہے؛ مگر فقہی اصول کے اعتبار سے یہاں یہ طے شدہ بات ہے کہ چیزوں کی اصل اباحت ہے اور چوں کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی صحیح اور صریح نص موجود نہیں ہے بلفظ دیگر چونکہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد سے شریعت کے کسی بھی جزء پر کوئی حرف نہیں آتا اس لئے از روئے شرع میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد بلا شبہ جائز اور مباح ہی رہے گا۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھیئے کہ ہم فقہی اصول کے مطابق میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد محض جائز اور مباح بتا رہے ہیں، یعنی اگر کوئی محفل میلاد کا انعقاد کرتا ہے تو کیا کرے، فقہی اعتبار سے اس پر کوئی کلام نہیں؛ اور اگر کوئی نہ کرنا چاہے تو نہ کرے، اس پر بھی فقہی اعتبار سے کوئی کلام نہیں؛ کیوں کہ محفل میلاد کا انعقاد نہ کرنے پر کلام تو اس وقت کیا جا سکتا تھا جب میلاد کا انعقاد وجوب کے دائرے میں داخل ہو جاتا، لیکن یہاں بات چوں کہ محض جواز اور اباحت کی ہے اس لئے اگر کوئی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ منانا چاہے تو اس کی بھی نکیر نہیں کی جا سکتی۔

میلاد النبی اور مفہوم بدعت:

محافل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفین اپنے موقف کی تائید میں عام طور پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ''میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ایک بدعت ہے اور ہر بدعت ناجائز وحرام ہوتی ہے۔ چنانچہ آقا علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے: ''ان أفضل الهدى هدى محمد صلى الله عليهِ وسلم ، وشر الأمورِ محدثاتها ، وكل

بدعة ضلالة ''۔یعنی: بیشک سب سے افضل طریقہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ ہے، اور سب سے بری چیز (دین میں) نئی بات پیدا کرنا ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ یہ اور اس مضمون کی کئی دیگر روایات پیش کرتے ہوئے مخالف طبقہ یہ کہتا ہے کہ ان احادیث میں ہر طرح کی بدعت گمراہی قرار دی گئی ہے لہٰذا میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودہ ہیئت بھی ایک بدعت ہونے کی وجہ سے ناجائز وممنوع ہوگی۔ اگر باہمی اختلافات کی آنچ سے پرے ہوکر محض انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ حضرات اپنے موقف میں مکمل طور پر بے بنیاد بھی نہیں ہیں کیونکہ آئمہ کبار میں سے بہت سے معزز حضرات ایسے رہے ہیں جنہوں نے مذکورہ حدیث کے ظاہری مفہوم کے تحت ہر طرح کی بدعت کو گمراہی قرار دیا ہے خواہ وہ بدعت عبادات سے متعلق ہو یا عادات سے متعلق۔ تاہم دقت یہ ہے کہ یہ مخالف طبقہ جو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''محدثات الامور'' کے تحت واقع ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار دیتا ہے، خود اس کے خیمے میں بھی بہت سی باتیں ایسی پائی جاتی ہیں جو بلاشبہ محدثات الامور کے زمرے میں آتی ہیں لیکن وہ انہیں بدعت حسنہ کے تحت مباح بلکہ بسا اوقات مستحسن تک قرار دینے میں لحہ بھر تامل نہیں کرتا۔ فکر وعمل کا یہ تضاد ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اگر بات محض اتنی ہی ہوتی کہ یہ حضرات میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے خیمے میں پائے جانے والے تمام ''محدثات الامور'' کو بھی ناروا قرار دیتے تو للہ کم از کم مجھے اس معاملے میں ان سے کوئی شکایت نہ ہوتی بلکہ میں انہیں اُن حضرات کے طریق پر عمل پیرا شمار کرتا جنہوں نے حدیث کے ظاہری مفہوم کا اعتبار کرتے ہوئے تمام طرح کے ''محدثات الامور'' کو ممنوع قرار دیا ہے؛ مگر یہاں مسئلہ یہ ہے کہ جب اپنے خیمے کی بات آتی ہے تو یہ حضرات ''تقسیم بدعات'' کا سہارا لے کر اپنے اعمال وافکار کو درست گردانے لگتے ہیں لیکن جوں ہی دوسروں کی بات آتی ہے تو ''بدعتی ، بدعتی'' کی مالا جپنے لگتے ہیں۔ بے شک یہ ایک دوہرا معیار ہے جس کیلئے دیانت اور فکر وتحقیق کے باب میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

چوں کہ مخالف حضرات کی طرف سے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کو علی العموم ''بدعت'' کا نام لے کر ہی ممنوع قرار دیا جاتا ہے اس لئے ہم یہاں تھوڑی تفصیل کے ساتھ مفہوم بدعت پر روشنی ڈال دینا چاہتے ہیں تاکہ معاملے کی تہہ تک پہنچنا ہمارے لئے آسان ہوجائے۔

بدعت کا مفہوم لغوی:

لغوی اعتبار سے ''بدعت'' کا لفظ ''ب د ع'' سے مشتق ہے جس کا مفہوم بتاتے ہوئے علامہ ابن منظور افریقی

(۶۳۰-۷۱۱ھ/۱۲۳۲-۱۳۱۱ء) لکھتے ہیں: ''أبدعت الشی :اخترعته لا علی مثال ''[9]۔ترجمہ: میں نے فلاں شے پیدا کی یعنی اسے بغیر کسی مثال کے ایجاد کیا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ لغوی اعتبار سے کسی سابقہ مثال کے بغیر کوئی نئی چیز ایجاد کرنے اور معرض وجود میں لانے کا نام بدعت ہے۔

بدعت کا مفہوم شرعی:

بدعت کے مفہوم اصطلاحی یعنی مفہوم شرعی کی بات کریں تو الگ الگ لوگوں نے الگ الگ انداز میں بدعت کے مفہوم شرعی پر روشنی ڈالی ہے لیکن تقریباً سب کا مآل ایک ہی ہے،اور وہ امام نووی (۶۳۱-۶۷۷ھ/۱۲۳۳-۱۲۷۸ء) کی زبان میں یہ ہے: ''**البدعة بكسر الباء فی الشرع هی احداث مالم يكن فی عهد رسول الله صلی الله عليه و آله وسلم** ''[10]۔یعنی: شرعی اعتبار سے باء کے کسرہ کے ساتھ بدعت سے مراد ایسے نئے کام کی ایجاد ہے جو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود نہ ہو۔

بدعت کی تقسیم:

بدعت کی متذکرہ بالا تعریف کے تحت اگر ہم تمام طرح کے ''محدثات الامور'' کو کسی بھی طرح کے امتیاز کے بغیر جانچنے لگ جائیں تو ہمارے زمانے کی بات تو رہنے دیجئے ،خود دور صحابہ و تابعین کی بھی بہت سی باتیں ایسی نکل آئیں گی جو بلا شبہ ''بدعت'' کے خانے میں داخل ہو کر ممنوع بن جائیں گی۔غور کیجئے! جمع قرآن کا مسئلہ کب پیش آیا؟ قرآن پر اعراب کب لگایا گیا؟ نماز جمعہ میں اذان ثانی کی شروعات کب سے کی گئی؟ باجماعت نماز تراویح کا آغاز کب کیا گیا؟ بیت المال سے تنخواہوں کی تقرری کب عمل میں آئی؟ ظاہر ہے کہ یہ اور ان جیسے بہتر ے امور ایسے ہیں جو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وجود میں آئے ؛اب ایسی صورت میں اگر آپ بلا استثناء تمام طرح کے محدثات الامور کو بدعت کہہ کر ممنوع قرار دینے لگ جائیں تو کیا یہ مذکورہ باتیں بھی ممنوع نہیں ٹھہریں گی؟ ٹھہریں گی ،اور بے شک ٹھہریں گی۔پھر کیا کیا جائے؟ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہمارے یا آپ کے سامنے بس یہی راستہ ہے کہ بدعتوں کے درمیان تقسیم کریں اور شرعی اصولوں کی رہنمائی میں تمیز سے کام لیں،اور یہ کوئی نئی بات بھی نہیں ہے، خود آئمہ کبار نے ان تقسیمات کی طرح ڈالی ہے۔چنانچہ امام سیوطی (۸۴۹-۹۱۱ھ/۱۴۴۵-۱۵۰۵ء) لکھتے ہیں: ''**قال الامام الشافعی رضی الله عنه: البدعة بدعتان: بدعة محمودة، و بدعة مذمومة، فما وافق السنة فهو محمود، وما خالف السنة فهو مذموم. واحتج بقول عمر رضی الله عنه:نعمت البدعة هذه.**

وقال الامام الشافعي أيضا رضى الله تعالى عنه:المحدثات فى الأمور ضربان: أحدهماما حدث يخالف كتابا أوسنة أو أثرا أو اجماعا فهذه البدعة الضلالة .والثانى:ما أحدث من الخير لاخلاف فيه لواحد من هذا فهي محدثة غير مذمومة،وقد قال عمر فى قيام شهر رمضان نعمت البدعة هذه يعني أنها محدثةلم تكن واذا كانت فليس فيها رد لما مضى''[11]۔

یعنی:حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ کہتے ہیں:بدعت کی دوقسمیں ہیں:بدعت محمودہ اور بدعت مذمومہ۔جو بدعت سنت کے مطابق ہووہ محمود ہےاور جو بدعت سنت کے مخالف ہووہ مذموم ہے۔امام شافعی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کےقول ﴿**نعمت البدعة هذه**﴾ یعنی:یہ کتنی اچھی بدعت ہے،سے دلیل پکڑی ہے۔امام شافعی رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ بھی فرمایاہے کہ:محدثات فی الامور یعنی نئی پیداہونے والی چیزیں دوقسم کی ہیں:پہلی قسم میں وہ چیزیں آتی ہیں جوکتاب وسنت یااثر واجماع کے برخلاف ہوں،یہ چیزیں بدعت مذمومہ ہیں؛اور دوسری قسم:وہ نئی پیداشدہ چیزیں ہیں جواچھی ہوں یعنی جن میں مذکورہ باتوں میں سےکوئی بات نہ پائی جائے؛تووہ ایسی نئی پیداشدہ چیزیں ہیں جو مذموم نہیں ہیں۔اورحضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے ماہ رمضان کے قیام کےتعلق سےفرمایا تھا کہ یہ کتنی اچھی بدعت ہے، یعنی یہ ایک ایسی نئی پیداشدہ چیز ہے جوسنت کے برخلاف نہیں ہے،اور جو چیز ایسی ہواس کی تردیدنہیں کی جاتی۔جیسا کہ ماقبل میں گزرگیا۔

امام شافعی کی گفتگوکاماحصل یہ ہے کہ بدعت کی دوقسمیں ہیں۔(۱)بدعت حسنہ،(۲)اور بدعت سیئہ۔

ا۔بدعت حسنہ:وہ ہے جوموافق سنت ہو یعنی ایک ایسی بدعت جس کی وجہ سےقرآن وسنت یااجماع امت پرکوئی آنچ نہ آئے،بلفظ دیگر جس کی وجہ سےکوئی محظورشرعی لازم نہ آئے۔

۲۔بدعت سیئہ:وہ ہے جوموافق سنت نہ ہو،یعنی ایک ایسی بدعت جس کی وجہ سےقرآن وسنت یااجماع امت میں سےکسی شرعی دلیل پرآنچ آنے لگے بلفظ دیگر جس کی وجہ سےکوئی محظورشرعی لازم آجائے۔

اسی بات کواپنے انداز میں بتاتے ہوئے امام بدرالدین عینی (۷۶۲-۸۵۵ھ/۱۳۶۱-۱۴۵۱ء)) عمدالقاری شرح صحیح البخاری میں لکھتے ہیں:''**البدعة على نوعين:ان كانت ممايندرج تحت مستحسن فى الشرع فهي بدعةحسنة وان كانت مما يندرج تحت مستقبح فى الشرع فهي بدعة مستقبحة[12]۔**

یعنی:بدعت کی دوقسمیں ہیں:اگر یہ شریعت کے مستحسنات کےتحت آجائےتو یہ بدعت حسنہ یعنی اچھی بدعت ہے،اوراگر یہ شریعت کے مستقبحات کےتحت آجائےتو یہ بدعت مستقبحہ یعنی بری بدعت ہے۔

بدعت حسنہ کا حکم شرعی:

بدعت حسنہ کے حکم شرعی پر روشنی ڈالتے ہوئے امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: ''**فالبدعة الحسنة متفق على جواز فعلها والاستحباب لها رجاء الثواب لمن حسنت نيته فيها،وهي كل مبتدع موافق لقواعد الشريعة غيرمخالف لشئ، ولا يلزم من فعله محظورشرعي، وذلك نحوبناء المنابر، والربط والمدارس، وخانات السبيل، وغير ذلك من أنواع البر التي لم تعهد في صدرالاسلام؛ فانه موافق لماجات به الشريعة من اصطناع المعروف والمعاونة عل البروالتقوى. وما يعد من البدع الحسنة: التصانيف في العلوم النافعة الشرعية على اختلاف فنونها، وتعيين قواعدها، وتفسير الكتاب العزيز،وجمع الأخبار النبوية، وتفسيرها، والكلام على الأسانيد والمتون، و تتبع كلام العرب واستخراج علوم جمة منه، فذلك كله وما شاكله من علوم حسنة ظاهر فائدته،معين على معرفة أحكام الله، وفهم معاني كلامه، وسنة رسوله،وكل ذلك مأمور به لا يلزم من فعله محظور شرعي**''[13]۔

یعنی: اس بات پر اتفاق ہے کہ بدعت حسنہ ایک جائز امر ہے اور حسن نیت کے ساتھ ثواب کی امید پر اُسے انجام دینا مستحب ہے۔ بدعت حسنہ: ہر وہ نئی پیدا شدہ چیز ہے جو قواعد شرع کے مطابق ہو یعنی مخالف نہ ہو اور اس کے کرنے سے کوئی محظور شرعی لازم نہ آئے۔ مثال کے طور پر منبروں، خانقاہوں، مدارس اور سرائے وغیرہ کی تعمیر جیسے اچھے کام جو آغاز اسلام میں نہ تھے؛ کیونکہ شریعت نے جو اچھے کام کرنے اور نیکی وتقوی کے کاموں میں اعانت کا حکم دیا ہے، یہ اسی کے موافق ہیں۔ علاوہ ازیں! بدعت حسنہ میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں: مختلف شرعی علوم وفنون پر نفع بخش کتابوں کی تصنیف، ان کے قواعد کی تعیین، قرآن حکیم کی تفسیر، احادیث نبویہ علی صاحبھا آلاف سلام وتحیات کی جمع وتشریح، اسانید ومتون پر گفتگو، کلام عرب کی جستجو اور اس سے بڑی تعداد میں علوم کا استخراج؛ یہ اور اس قسم کے دیگر تمام علوم حسنہ بداہۃً مفید ہیں، کیونکہ یہ علوم احکام الٰہی کی معرفت، کلام مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کے مطالب کی تفہیم میں مدد کرتے ہیں؛ اور یہ تمام باتیں مامور بالشرع بھی ہیں جن کے کرنے سے کوئی محظور شرعی لازم نہیں آتا۔

احکام خمسہ کی طرف بدعت کی تقسیم:

امام ذہبی (۶۷۳-۷۴۸ھ / ۱۲۷۴-۱۳۴۸ء) احکام خمسہ کی طرف بدعت کی تقسیم پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے

ہیں:''وقوم قسموها الى: محرم، ومكروه، ومباح،ومستحب، وواجب''[14]۔ترجمہ:اورایک گروہ نے بدعت کی تقسیم حرام،مکروہ،مباح،مستحب اورواجب کی طرف کی ہے۔یعنی ایک گروہ نے یہ کہاہے کہ حکم کے اعتبار سے بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔حرام،مکروہ،مباح،مستحب اورواجب۔

احکام خمسہ کی جانب بدعت کی اسی تقسیم پرذراتفصیلی انداز میں روشنی ڈالتے ہوئے امام نووی لکھتے ہیں:''البدعة منقسمة الى حسنة و قبيحة، قال الشيخ الامام المجمع على امامته و جلالته و تمكنه فى انواع العلوم و براعته ابو محمد عبدالعزيز بن عبدالسلام رحمه الله فى آخر كتاب القواعد: البدعة منقسمة الى واجبة ومحرمة ومندوبة ومكروهة ومباحة، قال والطريق فى ذلک أن تعرض البدعة على قواعد الشريعةفان دخلت فى قواعد الايجاب فهى واجبة أوقواعد التحريم فمحرمة أوالندب فمندوبة أوالمكروه فمكروهة أو المباح فمباحة''[15]۔

یعنی:بدعت کو بدعت حسنہ اور بدعت قبیحہ میں تقسیم کیا گیا ہے۔شیخ عبدالعزیز بن عبدالسلام جن کی جمیع علوم میں امامت وجلالت اور قدرت ومہارت ایک مسلم الثبوت امر ہے،کتاب القواعد کے آخر میں فرماتے ہیں۔ بدعت کو بدعت واجبہ،محرمہ،مندوبہ،مکروہہ اورمباحہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔انہوں نے فرمایا کہ اس کے جاننے کا طریقہ یہ ہے کہ بدعت کا قواعد شرعیہ سے موازنہ کیا جائے،اگروہ بدعت قواعدایجاب کے تحت داخل ہےتو واجب ہےاوراگرقواعدتحریم کے تحت داخل ہےتو حرام ہےاوراگرقواعداستحباب کے تحت داخل ہےتو مستحب ہےاوراگرکراہت کے قاعدے کے تحت داخل ہےتو مکروہ ہےاوراگراباحت کے قاعدے میں داخل ہےتو مباح ہے۔

بدعت کی اتنی تفصیلات رقم کرنے کے بعدامام نووی رحمہ اللہ نے ہرایک کی الگ الگ مثال بھی پیش کی ہے۔ہم یہاں بدعت کے حوالے سےاوپرپیش کی گئی پوری اصولی گفتگو کا خلاصہ چندمثالوں کے ساتھ بیان کئے دیتے ہیں۔

بدعت کی اولا دو قسمیں ہیں:

(۱)بدعت حسنہ۔(۲)بدعت سیئہ۔ان دونوں کی تعریفیں متذکرہ بالاسطورمیں ملاحظہ فرمالیں۔

پھر بدعت حسنہ کی تین قسمیں ہیں:

(۱)بدعت واجبہ،(۲)بدعت مندوبہ،(۳)بدعت مباحہ۔

۱۔بدعت واجبہ:ایک ایسی چیز کا نام ہے جواپنی ہیئت کے اعتبار سےتو بلاشبہ نئی ہےلیکن دینی ضرورت کی وجہ سے اس کا وجودواجب ہوگیاہے۔مثلاقرآن حکیم پرلگایا گیااعراب یادین کی تفہیم کے لئےنحو،صرف اوراصول تفسیر وغیرہ۔

بلاشبہ یہ چیزیں اپنی ہیئت کے اعتبار سے بدعت ہیں کیوں کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان امور کا کوئی وجود ہی نہیں تھا مگر موجودہ زمانے میں یہ چیزیں اس قدر ضروری ہوگئی ہیں کہ اگر یہ ترک کردی جائیں تو دین میں حرج واقع ہوجائے گا۔اس لئے بدعت ہونے کے بعد بھی یہ یا ان جیسی دیگر چیزوں کا وجود شرعاً واجب ہے۔

۲۔بدعت مندوبہ: ایک ایسی چیز ہے جو اپنی ہیئت اور اصل کے اعتبار سے تو بیشک نئی ہے مگر اس کی وجہ سے قرآن وسنت یا اجماع امت کی کسی بھی شق پر کسی بھی طرح کی کوئی زد نہیں پڑتی بلکہ عام مسلمان اسے کار خیر وثواب سمجھ کر انجام دیتے ہیں۔جیسے مدارس کا قیام، سرائے کی تعمیر اور میلاد کی محفلیں وغیرہ۔ بے شک یہ چیزیں اپنی ہیئت اور اصل کے اعتبار سے نئی ہیں مگر چونکہ ان کی وجہ سے ادلہ شرعیہ پر کوئی آنچ نہیں آتی بلکہ بہت سے امور خیر پر مشتمل ہونے کی بنا پر ان سے جزائے خیر کی امید کی جاتی ہے اس لئے ''ما رآه المؤمن حسنا فهو عند الله حسن ''[یعنی اہل ایمان جسے حسن سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی حسن ہے] کے تحت یہ چیزیں ندب یعنی مستحب کے درجے میں داخل ہوں گی۔ اگر کوئی شخص شرعی دائرے میں رہ کر حسن نیت کے ساتھ انہیں انجام دے تو ان شاءاللہ تعالیٰ ثواب پائے گا، اور نہ کرے تو کوئی بات نہیں۔

۳۔بدعت مباحہ:: ایک ایسی چیز ہے جو اپنی ہیئت اور اصل کے اعتبار سے تو بیشک نئی ہے مگر وہ کسی بھی طرح قرآن وسنت یا اجماع امت کی نقیض نہیں ہے اور عام مسلمان اسے کار خیر وثواب سمجھ کر انجام بھی نہیں دیتے بلکہ بس یوں ہی عادت یا تہذیبی ثقافت کے طور پر کر لیتے ہیں۔جیسے انواع واقسام کے کھانے تیار کرنا یا گھروں کو چکنے پتھروں سے آراستہ کرنا۔وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایسی چیزیں ہیں کہ بے شک اپنی ہیئت اور اصل کے اعتبار سے بدعت ہیں مگر ان کی وجہ سے نہ تو کسی شرعی قاعدے پر ضرب پڑتی ہے اور نہ ہی ان سے ثواب کی امید کی جاتی ہے۔ یہ یا اس قسم کے دیگر ان گنت امور بدعت مباحہ کے دائرے میں داخل ہوں گے۔ کئے جائیں تو بھی کوئی بات نہیں اور نہ کئے جائیں تو بھی کوئی بات نہیں۔

بدعت سیئہ کی دو قسمیں ہیں: بدعت محرمہ اور بدعت مکروہہ۔

۱۔بدعت محرمہ: ایک ایسی چیز ہے جو اپنی ہیئت اور اصل کے اعتبار سے نئی ہونے کے ساتھ ادلہ شرعیہ کی نقیض بھی ہو، بلفظ دیگر جس کی وجہ سے دین میں انتشار اور فساد پیدا ہوجائے۔ جیسے موجودہ دور میں قادیانیوں کے نظریات۔ بلاشبہ ان کے اعمال ونظریات نئے ہونے کے ساتھ ادلہ شرعیہ کی نقیض بھی ہیں، بلفظ دیگر ان کے اعمال وافکار کی وجہ سے دین میں انتشار کا بپا ہونا یقینی ہے۔اس طرح کی باتیں بدعت محرمہ میں داخل ہوں گی۔

۲۔ بدعت مکروہہ: ایک ایسی چیز ہے جو اپنی ہیئت اور اصل کے اعتبار سے نئی ہونے کے ساتھ کسی سنت کے ترک کی وجہ بھی بن جائے۔ مثال کے طور پر علمائے متقدمین کے مطابق مساجد یا قرآن حکیم کی تزئین۔ چوں کہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مسجدیں سادہ طور پر بنائی جاتی تھیں، یوں ہی مصحف شریف میں کسی قسم کی آرائش کا کوئی تصور نہیں تھا اس لئے علمائے متقدمین نے مساجد اور مصحف شریف کی آراستگی کو بدعت مکروہہ قرار دیا تھا، کیوں کہ اس کی وجہ سے عہد رسالت کی سادگی والی سنت متروک ہو رہی تھی۔

بدعت کے مفہوم پر اتنی واضح اور اصولی گفتگو کے بعد یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ محض ''بدعت'' کہہ دینے سے کوئی چیز ناجائز وحرام یا مکروہ نہیں ہو جاتی بلکہ حکم شرع کے نفاذ سے پہلے ہمیں یہ طے کرنا ہوتا ہے کہ پیش نظر بدعت آخر بدعت کی کس ''قسم'' میں داخل ہے؟ چنانچہ جانچ پڑتال کے بعد جس ''قسم'' کے تحت وہ مبینہ بدعت پائی جائے گی اُس مخصوص قسم کا حکم اُس مبینہ بدعت پر نافذ کر دیا جائے گا۔ ان تصریحات کو مدنظر رکھ کر اب آپ خود غور کریں کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کو بدعت کے کس ''خانے'' میں رکھا جانا چاہئے؟ مگر رکئے! پہلے ذرا دو منٹ اس بات پر غور فرمالیجئے کہ آخر وہ کون سی باتیں ہیں جو میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانے کے تعلق سے سرانجام دی جاتی ہیں؟ راقم کے مشاہدات کے مطابق میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر بیان سیرت کی محفلیں قائم کی جاتی ہیں اور باصلاحیت علماء کرام سیرت کے مختلف گوشوں پر صحیح روایات بیان کرتے ہیں، تلاوت قرآن کا اہتمام کیا جاتا ہے، روزے رکھے جاتے ہیں، غرباء ومساکین کی مدد کی جاتی ہے، لوگوں میں کھانے تقسیم کئے جاتے ہیں؛ وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ ساری باتیں فی نفسہ مستحسن ہیں، اور جب یہ ساری باتیں فی نفسہ مستحسن ہیں تو پھر اگر کوئی خوش عقیدہ مسلمان اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں انہیں سرانجام دے تو سرکار! اس سے کون سا جرم سرزد ہو جائے گا؟ ان امور کو تو آپ بھی فی نفسہ مستحسن ہی قرار دیں گے نا؟ کہ نہیں دیں گے؟ نہیں نہیں! ہم جانتے ہیں کہ آپ انہیں فی نفسہ مستحسن ہی قرار دیں گے؛ پھر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر ان امور کی انجام دہی سے ادلہ شرعیہ کی کونسی شق خطرے میں پڑ جائے گی؟؟

جماعتی اختلافات کی آنچ سے پرے ہو کر اگر انصاف کے ساتھ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جائزہ لیں تو آپ خود بھی یہی کہیں گے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اصل اور ہیئت کے اعتبار سے بے شک ایک بدعت ہے مگر چوں کہ اس سے شریعت کا کوئی بھی قاعدہ متأثر نہیں ہوتا اور عام مسلمان اسے کار خیر سمجھ کر ہی انجام دیتے ہیں اس لئے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اہتمام ''بدعت مندوبہ یا بدعت مستحبہ'' ہی کے زمرے میں داخل ہوگا؛ اور

بدعت مستحبہ کے تعلق سے امام سیوطی کی یہ تصریحات ماقبل میں گزر چکی ہیں کہ ’’**فالبدعة الحسنة متفق علی جواز فعلها و الاستحباب لها رجاء الثواب لمن حسنت نیته فیها**‘‘ ۔یعنی: اس بات پر اتفاق ہے کہ بدعت حسنہ ایک جائز امر ہے اور حسن نیت کیساتھ ثواب کی امید پر اُسے انجام دینا مستحب ہے۔تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی مسلمان حدود شرع میں رہ کر میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانا چاہتا ہے تو منائے ،ان شاء اللہ تعالی وہ بہتر اجر سے نوازا جائے گا ؛ اور اگر کوئی نہیں منانا چاہتا تو نہ منائے ،اس کی مرضی ،مستحب ہے ،کوئی فرض وواجب نہیں ،کہ نہ منانے سے اس کی نکیر یا ملامت کی جائے گی۔

وفات کا غم کیوں نہیں؟

یہاں کچھ حضرات یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ بارہ ربیع الاول کو اگر یوم ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے تو یوم وفات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بارہ ربیع الاول ہی کو واقع ہوتا ہے۔پھر کیا وجہ ہے کہ اس دن میلا دالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشیاں تو منائی جاتی ہیں لیکن وفات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم نہیں منایا جاتا؟ اس سوال یا اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جناب عالی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر کس تاریخ کو دنیا سے پردہ فرمایا، اس بارے میں بارہ ربیع الاول کے علاوہ اور بھی کئی اقوال موجود ہیں، اور انتقادی تجزیے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بارہ ربیع الاول کی تاریخ والا قول سند کے اعتبار سے کافی ضعیف ہے تاہم اگر ان اختلافات اور تجزیات سے قطع نظر بارہ ربیع الاول کی تاریخ ہی کو حتمی طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یوم وصال تسلیم کرلیا جائے تب بھی بارہ ربیع الاول کو وفات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم منانا ہمارے لئے درست نہیں ہوگا؛ کیوں کہ متوفی لوگوں پر غم یا سوگ منانے کے تعلق سے شریعت اسلامی کا مسلم ضابطہ یہ ہے کہ تین دنوں کے اوپر غم نہ منایا جائے۔ہاں! شوہر کے انتقال پر محض بیوی کو یہ اجازت حاصل ہے کہ وہ چاہے تو چار ماہ دس دنوں تک غم منا سکتی ہے۔یہاں یہ نکتہ خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہے کہ بیوی کے لئے بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ شوہر کے انتقال پر چار ماہ دس دنوں تک غم منائے بلکہ اگر وہ چاہے تو اس کی چاہت کا احترام کرتے ہوئے شریعت مطہرہ نے اسے چار ماہ دس دنوں تک غم منانے کی اجازت عطا کی ہے؛ اور رہی بات بیوی کے علاوہ دیگر اعزہ واقارب کی ،تو وہ تین روز کے بعد ہرگز بھی متوفی پر غم نہیں منا سکتے۔اچھا! سوگ اور غم سے ہٹ کر اگر انبساط ولادت کی بات کی جائے تو اس کی اجازت ہمیشہ ہمیشہ ہی رہتی ہے۔

اتنی توضیحات کے بعد اب آپ مجھے بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کو تین روز سے

زیادہ کا عرصہ گزر رہا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں، تو پھر **یرحمک اللہ** ! مجھے آپ کی حالت پر افسوس ہے؛ اور اگر ہاں، اور یقیناً ہاں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال مبارک کو محض تین روز نہیں بلکہ چودہ صدیوں سے بھی کچھ زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے؛ تو پھر اتنے عرصے کے بعد شریعت کے مسلمات کے خلاف جاتے ہوئے آپ وفات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم منانے پر کیوں تلے ہوئے ہیں؟ وہ کون سا داعی ہے جو آپ کو اتنے عرصے بعد بھی وفات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم منانے پر آمادہ کر رہا ہے جبکہ وصال کے تین روز بعد غم منانا جائز ہی نہیں ہے؟

یہاں اس بات کا ذکر بھی بیجا نہ ہوگا کہ اگر ولادت اور وفات ایک ہی تاریخ میں واقع ہو جائے تو ایسی صورت میں ولادت کی خوشی منائی جاتی ہے، وفات کا غم نہیں۔ چنانچہ حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذ ر سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ان یـوم الجمعة سيد الأيامِ، وأعظمها عِند اللهِ، وهو أعظم عِند اللـه مِن يـومِ الأضحى ويومِ الفِطرِ، فِيهِ خمس خِلال: خلق الله فِيهِ آدم، وأهبط الله فِيهِ آدم الى الأرضِ، وفِيهِ توفى الله آدم، وفِيهِ ساعة لا يسأل الله فِيها العبد شيئا اِلا أعطاه ما لم يسأل حراما، وفِيـهِ تـقـوم الساعة، ما مِن ملك مقرب ولا سمآء ولا أرض ولا رِياح ولا جِبال ولا بحر اِلا هن يشفِقن مِن يومِ الجمعةِ''** [16]۔

یعنی: بے شک جمعہ تمام دنوں کا سردار اور اللہ تعالی کے نزدیک سب سے زیادہ محترم ہے۔ اللہ رب العزت کے نزدیک اس کی عظمت عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر سے بھی زیادہ ہے۔ اس دن کے اندر پانچ خصوصیتیں موجود ہیں: (۱) اس دن اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا، (۲) اور اسی دن انہیں آسمان سے زمین پر اتارا، (۳) اور اسی دن ان کی وفات واقع ہوئی۔ (۴) اس دن ایک ایسا وقت موجود ہے کہ اس میں بندہ اپنے رب سے جو بھی مانگتا ہے وہ مالک ومولی اسے ضرور عطا فرماتا ہے، بشرطیکہ وہ کوئی حرام چیز نہ مانگے۔ (۵) اور اسی دن قیامت بھی قائم ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ جمعہ کے دن سورج نکلنے سے پہلے تک مقرب فرشتے، آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ اور سمندر سب ڈرے سہمے رہتے ہیں (کیوں کہ قیامت اسی دن قائم ہونی ہے)۔

مذکورہ بالا حدیث میں فی الوقت ہماری توجہ کا مرکز جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت اور وفات کا معاملہ ہے۔ اس حدیث سے اتنی بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق بھی عمل میں آئی اور جمعہ ہی کے دن انہوں نے دنیا سے پردہ بھی فرمایا۔ اب ایک دوسری حدیث سنئے! حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ان هـــذا يـــوم**

عِید جعله الله لِلمسلِمِین، فمن جاء الی الجمعةِ فلیغتسِل، و ان کان طِیب فلیمس مِنه ، وعلیکم بالسِواک ''[17]۔یعنی: بے شک یہ (یعنی یوم جمعہ) عید کا دن ہے جسے اللہ تعالی نے صرف مسلمانوں کے لئے بنایا ہے۔لہذا جو شخص نمازِ جمعہ کے لئے آئے وہ غسل کرے اور اگر خوشبو موجود ہو تو ضرور لگا لے،اور تم لوگ مسواک بھی ضرور کر لیا کرو۔

اتنی توضیحات کے بعد اب آپ غور کیجئے کہ پہلی حدیث میں بتایا گیا کہ جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق بھی عمل میں آئی اور جمعہ ہی کے دن انہوں نے اس دار فانی سے کوچ بھی فرمایا،اور دوسری حدیث میں بتایا گیا کہ جمعہ کا دن دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے درحقیقت عید کا دن ہوتا ہے،اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم الجمعہ کو عید جیسا اہتمام کرنے کی بھی ہدایت دی۔مثلا اس دن نہا دھو کر خوب صاف ستھرا ہو جاؤ،عطریات سے خود کو مہکالو اور مسواک بھی کرو۔قابل غور ہے کہ جمعہ کے دن اگر حضرت آدم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی تخلیق عمل میں آئی تو جمعہ ہی کے دن انہوں نے اس دار فانی سے کوچ بھی فرمایا لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات کے غم کو مطلقا نظر انداز فرماتے ہوئے صرف ولادت کی خوشی کا لحاظ رکھا اور بایں سبب اسے یوم العید قرار دیا۔اس کا واضح مطلب تو یہی ہوا نا کہ اگر ولادت اور وفات ایک ہی تاریخ میں واقع ہو جائے تو ایسی صورت میں اس متعین دن میں ولادت کی خوشی منائی جائے گی،وفات کا غم نہیں۔اس ضابطے کی روشنی میں اب بلا کسی تردد کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر بارہ ربیع الاول کو یوم ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یوم وفات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی واقع ہو جائے تب بھی اس دن میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشیاں ہی منائی جائیں گی،وفات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غم نہیں ؛ کیوں کہ ولادت اور وفات کی تاریخ اگر ایک ہی دن میں واقع ہو جائے تو فرمان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اُس دن ولادت کی خوشی کا ساماں کیا جاتا ہے،غم منانے کے لئے صف ماتم نہیں بچھائی جاتی۔

نوٹ: یہاں لگے ہاتھوں ذرا اس بات پر بھی غور فرمالیجئے کہ جب حدیث مذکور میں حضرت آدم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی تخلیق کے دن یعنی یوم الجمعہ کو ''یوم العید'' قرار دیا گیا تو کیا وجہ بنائے کون ومکاں،سرور دو جہاں،امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی وجہ سے ''بارہ ربیع الاول'' کو یوم العید قرار نہیں دیا جا سکتا؟ کیا صحرائے عرب کے اُس حسین وجمیل آقا سے عشق کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور نزول ارضی کے دن کا تو ارمغان عید کے ساتھ استقبال کیا جائے لیکن وجہ تخلیق آدم حضرت سید البشر علیہ الصلوۃ والسلام کی ولادت مبارکہ کے دن کو ''عید'' کہنے پر اعتراض کیا جائے؟ عاشقان مصطفیٰ علیہ السلام سے دلیل مانگی جائے کہ بتاؤ! میلاد النبی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دن آخر ''عید میلادالنبی'' کیسے ہوگیا؟ جناب! اگر چہ یہاں اپنے موقف کی تائید میں سو دلیلیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر یاد رکھئے کہ عشق دلیل نہیں، وفاؤں کا صلہ مانگتا ہے۔

جلوس محمدی:

میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق سے ایک اہم سوال ''جلوس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا بھی ہے۔ جو لوگ اسے منعقد کرتے ہیں وہ شدت کے ساتھ اس کی تائید کرتے ہیں، اور جو لوگ اسے بلکہ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا انعقاد نہیں کرتے وہ پوری توانائی کے ساتھ اس جلوس کی مخالفت کرتے ہیں۔ تائید و مخالفت کے اس معاملے سے ذرا پرے ہٹ کر اس سلسلے میں راقم سطور کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ''جلوس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ایک خالص تہذیبی پروگرام (cultural attache) ہے کیوں کہ جلوس وغیرہ کا اہتمام عربوں کے یہاں نہیں پایا جاتا، جبکہ ہمارے یہاں یعنی برصغیر میں ہر چھوٹی بڑی بات پر بڑا بڑا جلوس نکال لیتے ہیں۔ جلوس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مثبت یا منفی کسی بھی قسم کی گفتگو سے پہلے یہاں ہمیں یہ بات سمجھنی ہوگی کہ عام طور پر تہذیبی اقدار سے متعلق ساری باتیں نہ تو روا ہوتی ہیں اور نہ ہی ساری باتیں ناروا؛ بلکہ ایسے مرحلہ پر ہمیں شرعی مزاج کو سامنے رکھ کر چیزوں کے بارے میں فیصلہ کرنا ہوتا ہے، چنانچہ تہذیب وثقافت سے متعلق جو جو باتیں ادلہ شرعیہ کی نقیض نہیں ہوتی ہیں ہم انہیں جائز قرار دیتے ہیں، اور جو جو باتیں کسی بھی طرح شریعت کے اصولوں سے متصادم ہوتی ہیں اُن کے ناجائز و ممنوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جاتا۔ اس وضاحت کے بعد جلوس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حتمی طور پر یہ کہا جائے گا کہ اگر یہ جلوس شرعی اقدار کی پاسداری کے ساتھ نکلتا ہے تو اسے ممنوع بتانے کی کوئی وجہ نہیں بنتی؛ اور اگر کسی بھی طرح شرعی اقدار کی پامالی متصور ہے تو جواز کا کوئی راستہ نہیں نکلتا۔

واضح رہے کہ جواز کی صورت میں بھی جلوس کی یہ ترتیب ایک تہذیبی روایت ہی رہے گی، یعنی اگر کوئی بندہ اس میں شریک ہوتا ہے یا ہونا چاہتا ہے تو ہوا کرے، کوئی بات نہیں۔ اور اگر کوئی اس میں شریک نہیں ہونا چاہتا تو نہ ہو، اس کی بھی نکیر نہیں کی جاسکتی؛ کیونکہ بہر کیف یہ ایک تہذیبی روایت ہی ہے اور کسی بھی تہذیبی روایت میں شرکت وشمولیت شرعاً ہرگز بھی لازم نہیں ہوتی۔

میلادالنبی کے اہتمام پر کیا جانے والا خرچ:

یہاں کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آخر میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اتنا خرچ کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ یہ تو

سراسراسراف یعنی فضول خرچی ہے اور فضول خرچی کسی بھی طرح جائز نہیں۔ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خرچ کرنے کے بجائے اگر آپ یہ رقم ضرورت مندوں کو دے دیں تو ان کا کچھ بھلا بھی ہو جائے؟ میرے ناقص خیال میں پیش نظر قول سے نہ تو مکمل طور پر اتفاق کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی مکمل طور پر اسے ٹھکرایا جاسکتا ہے۔ کامل اتفاق کا سوال اس لئے نہیں پیدا ہوتا کہ ہم نے ماقبل میں یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے کہ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد اگرچہ اپنی ہیئت کے اعتبار سے دور مابعد کی پیداوار ہے تاہم اگر شرعی اقدار کو نقصان نہ پہنچایا جائے تو یہ ایک کار خیر ہے؛ اور کار خیر میں خرچ کرنے کے تعلق سے آئمہ کرام کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر فضول خرچی میں کوئی خیر نہیں ہوتا تو خیر کے کاموں میں فضول خرچی بھی متصور نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر حافظ ابونعیم (۳۳۶-۴۳۰ھ/۹۴۸-۱۰۳۸ء) نے حلیہ میں حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن کے طریق سے امام سفیان بن سعید ثوری (۹۷-۱۶۱ھ/۷۱۵-۷۷۸ء) کا یہ قول نقل کیا ہے: ''**الحلال لایحتمل السرف**''[18]۔ یعنی: حلال کاموں میں فضول خرچی کا احتمال نہیں ہوتا۔ امام قرطبی (م:۶۷۱ھ/۱۲۷۳ء) نے ''الجامع لأحکام القرآن'' میں امام شافعی رحمہ اللہ (۱۵۰-۲۰۴ھ/۷۶۷-۸۲۰ء) کا یہ قول نقل کیا ہے: ''**التبذیر انفاق المال فی غیر حقه ولاتبذیر فی عمل الخیر**''[19]۔ یعنی: ناحق مال کو خرچ کرنے کا نام فضول خرچی ہے تاہم خیر کے کاموں میں فضول خرچی متصور نہیں۔ کہنے کا منشا یہ ہے کہ شرعی اقدار کی پاسداری کیساتھ چوں کہ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد ایک کار خیر ہے اس لئے اس کے اہتمام میں کیا جانے والا خرچ ہرگز بھی فضول خرچی کے دائرے میں نہیں آتا، لہٰذا جناب معترض کی فضول خرچی والی بات سے کسی بھی طور پر اتفاق نہیں کیا جاسکتا؛ اور جہاں تک ان کی بات کو مکمل طور پر رد نہ کر پانے کا سوال ہے تو وہ اس ضمن میں کہ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کا اصل منشا یہ ہوتا ہے کہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عام کیا جائے، اور ہمارے آقا ومولی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کے سب سے بڑے سخی تھے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ دوسروں کی مدد فرماتے اور آپ کے پاس جو کچھ بھی آتا، آپ اسے فوراً لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیتے۔ اس لئے راقم کے ناقص خیال میں میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کا ایک بہت بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہم اس دن بلاتفریق مذہب وملت زیادہ سے زیادہ ضرورت مند لوگوں کی مدد کریں۔ اپنے علاقے کے شفاخانوں میں جائیں اور پتہ کریں کہ کس مریض کو کس چیز کی ضرورت ہے، پھر حسب استطاعت ان کے لئے دوائی اور اشیائے خورونوش کا انتظام کردیں۔ یوں ہی اس دن کچھ غریب بچیوں کی شادی کا انتظام کردیں؛ ضرورت مند طلبہ، یتیم بچوں اور بیوہ عورتوں کے لئے وظائف کی کوئی تدبیر نکالیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ بے شک یہ ایسے امور ہیں جن سے ہم زمینی سطح پر

ان شاء اللہ تعالیٰ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی پیغام کو عام کرنے پر قادر ہو جائیں گے۔

نوٹ: یہاں ایک تکلیف دہ بات یہ ہے کہ جو لوگ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر کئے جانے والے جائز خرچ پر اعتراض کرتے ہیں، اگر ہم خود ان کے گھروں میں شادی بیاہ وغیرہ کے موقع پر کئے جانے والے خرچ کا حساب کتاب لگائیں تو پتہ چلے گا کہ ہمارے یہ مہربان معترضین لاکھوں روپے ناجائز کاموں میں خرچ کر ڈالتے ہیں۔ یہ باتیں دیکھ کر کم از کم مجھے یہ شبہ ہونے لگتا ہے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جائز اخراجات کے تعلق سے انہوں نے جو اعتراضات کئے تھے وہ مبنی بر اخلاص نہ تھے؛ کیوں کہ اگر وہ اعتراضات واقعتاً مخلصانہ ہوتے تو ان حضرات نے سب سے پہلے خود احتسابی کے عمل سے گزر کر اپنی اصلاح کر لی ہوتی اور شادی بیاہ وغیرہ کی تقریبات میں یوں لاکھوں روپے ناجائز خرچ نہ کر ڈالے ہوتے۔

کبار امت کے فیصلے:

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواز بلکہ استحسان پر ایک بھاری تعداد آئمہ ومحدثین نے اتفاق کیا ہے۔ مثلاً امام محمد بن ظفر مکی (م: ۵۶۵ھ)، حافظ ابن جوزی (م: ۵۷۹ھ)، حافظ شمس الدین جزری (م: ۶۶۰ھ)، حافظ ابن تیمیہ (م: ۷۲۸ھ)، حافظ شمس الدین ذہبی (م: ۷۴۸ھ)، امام تقی الدین سبکی (م: ۷۵۶ھ)، حافظ ابن کثیر (م: ۷۷۴ھ)، حافظ ابن رجب حنبلی (م: ۷۹۵ھ)، امام ابن حجر عسقلانی (م: ۸۵۲ھ)، امام سخاوی (م: ۹۰۲ھ)، امام جلال الدین سیوطی (م: ۹۱۱ھ)، امام عبد الحق محدث دہلوی (م: ۱۰۵۲ھ)، شاہ عبد الرحیم دہلوی (م: ۱۱۳۱ھ)، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م: ۱۱۷۴ھ)، شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (م: ۱۲۳۹ھ) اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (م: ۱۳۱۷ھ) کے علاوہ بھی بہت سے اکابر علماء ومشائخ ایسے رہے ہیں جنہوں نے محافل میلاد کے جواز بلکہ خیر وبرکت کا ذریعہ ہونے کا قول کیا ہے۔ اگر ہر ایک کا قول جداگانہ طریق پر نقل کریں تو بات کافی لمبی ہو جائے گی اس لئے محض اشارے ہی پر اکتفا کرتے ہیں، تاہم یہاں اس بات کا ذکر بہت ضروری ہے کہ محافل میلاد کی تائید کرنے والے آئمہ ومحدثین کی توثیقی حیثیت پر کلام کرتے ہوئے کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جن علما ومشائخ نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کی ہے وہ تو چھٹی صدی ہجری یا اس کے بعد کے ہیں۔ اس سے قبل کے علما سے تو کوئی تائید حاصل نہیں ہے۔ ہم اس اعتراض کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ: بھائی صاحب! جب میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ جدید ہیئت ہی چھٹی صدی ہجری یا اس کے مابعد زمانے کا مسئلہ ہے تو پھر اس پر تائید وتوثیق کی امید چھٹی صدی

ہجری سے قبل کے علماء سے کیونکر کی جاسکتی ہے؟ کیا یہ بھی درست نہیں کہ جن علماء ومشائخ نے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کی مخالفت کی ہے وہ بھی چھٹی صدی ہجری یا اس کے مابعد زمانے سے تعلق رکھتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ جب مدعا ہی چھٹی صدی ہجری یا اس کے مابعد زمانے کا ہے تو پھر اس پر تائید یا مخالفت کی امید ماقبل کے علماء سے کیوں کر کی جاسکتی ہے؟ اس وضاحت کے بعد ذرا دل پر ہاتھ رکھ بتائیں کہ کیا میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کی تائید کرنے والے علماء ومشائخ کی توثیقی حیثیت کو یہ کہہ کر سر بازار مجروح کرنا کوئی درست رویہ ہے کہ یہ تو چھٹی صدی ہجری یا اس کے مابعد زمانے سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں، اگر آپ برحق ہیں تو قرون اولی سے تائید لاکر دکھائیں؟ ارے بھئی! یہ تو ایسا ہی تقاضا ہوا کہ صبح نمودار ہونے سے پہلے ہی نقیب سحر سے کرنوں کے وجود کا ثبوت طلب کیا جائے! کیا یہ کوئی دانشمندی کی بات ہے؟ اچھا! اگر آپ ہی کی روش پر چلتے ہوئے الزامی جواب کے طور پر کسی حاضر دماغ راہ گیر نے آپ سے یہ کہہ دیا کہ: ٹھیک ہے، ہم قرون اولی کے اولوالعزم افراد سے اگر تائید کا ثبوت نہیں لاسکتے تو پھر آپ ہی ان سے مخالفت کا ثبوت لاکر دکھائیں! تو کیا آپ ایسا کر پائیں گے؟ ظاہر ہے کہ آپ ایسا نہیں کر پائیں گے، اور بھلا آپ ایسا کیسے کر پائیں گے جب کہ یہ قضیہ ہی دور مابعد کی پیداوار ہے؟ یہاں یہ بات بھی نہ بھولئے کہ آپ کا قرون اولی سے مخالفت کا ثبوت نہ لا پانا ہی اُس دور کے اعتبار سے میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کا جواز فراہم کردے گا، کیوں کہ کسی چیز کے جائز ہونے کے لئے دلیل نہیں چاہئے لیکن ناجائز ہونے کے لئے دلیل چاہئے ، اور بہت ہی مضبوط دلیل چاہئے؛ اور جب آپ مخالفت کی دلیل نہیں لا پائیں گے تو پھر آپ کی یہ عاجزی ہی مذکورہ ضابطے کی روشنی میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواز کی دلیل بن جائے گی۔

کہنے کا منشا یہ ہے کہ اگر آپ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منعقد نہیں کرنا چاہتے یا ایسے کسی پروگرام میں شریک نہیں ہونا چاہتے تو آپ کی مرضی۔ خود کو ان جلسہ جلوس سے الگ تھلگ کرلیں۔ نہ کوئی آپ کا دامن پکڑ سکتا ہے اور نہ ہی شرعی اعتبار سے آپ کی نکیر کی جاسکتی ہے۔ تاہم جو لوگ شرعی حدود میں رہ کر میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انعقاد کرتے ہیں، خواہ مخواہ ان سے نہ الجھئے۔ انہیں کرنے دیجئے! کیوں کہ محافل میلاد کا انعقاد اگرچہ اپنی جدید ہیئت کے اعتبار سے ایک بدعت ہے تاہم بدعت حسنہ مستحبہ ہے اور بدعت حسنہ کے جواز پر کلام کا کوئی جواز نہیں بنتا۔

بہت خیال رکھیں:

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواز بلکہ استحسان پر ایک مختصر گفتگو کے بعد اب ہم پیش نظر حالات کے تناظر

میں میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منانے والوں سے بطور نصیحت چند ضروری باتیں کہنا چاہتے ہیں۔

ا۔پہلی بات نماز کی پابندی کے تعلق سے ہے۔میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلوس کے سلسلے میں کئی بار اور کئی جگہوں پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ نماز کا وقت ہوچلا ہے اور حضرت مؤذن صاحب مخصوص لاہوتی کلمات کے ذریعے فرزندان توحید کو نماز کیلئے پکارنے لگے ہیں مگر یہ جلوس والے ہیں کہ جھومتے گاتے اپنی ہی رو میں چلے جارہے ہیں۔ ایک طرف اذان کی مقدس آواز فضائے بسیط کو چیرتی ہوئی کانوں میں رس گھول رہی ہوتی ہے لیکن دوسری طرف جلوس کے بہت ہی طاقت ور مائک احترام اذان میں خاموش ہونے کی بجائے صوتی لہروں کو برقی لہروں میں تبدیل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اللہ اللہ! یہ کیسا ذکر میلاد ہے؟ سرور دوجہاں سے یہ کیسی الفت ہے؟ جس نماز کو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا تھا آج وہی نماز ایک روایتی جلوس کے اہتمام کی خاطر ترک کی جارہی ہے! وہ بھی ذکر میلاد کے نام پر؟ **یا للجعب! هذا أمر لم تره العيون و لم تسمعه الآذان** ۔للہ! جاگئے، ہوش میں آیئے! آپ زہر ہلاہل کو شربت شفا سمجھ کر پی رہے ہیں۔ایں راہ کہ تو میں روی بکعبہ نمی رسد ۔اس لئے اذان کی آواز نشر ہوتے ہی فوری طور پر اپنے مائک بند کیجئے، قافلہ کو روکئے، قریبی مسجد میں جاکر باجماعت نماز ادا کیجئے اور پھر اپنی منزل کی جانب روانہ ہوں؛ یا پھر جلوس کی ترتیب اس طریقے پر رکھئے کہ وقت نماز تک آپ اپنی منزل پر پہنچ جائیں اور وہاں طمانیت کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرسکیں۔

۲۔میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلوس میں شرعی اقدار کی پاسداری پر بھی سختی کے ساتھ نظر رکھیں۔بعض احباب نے راقم سطور کو بتایا کہ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلوس میں بہت سی غیر شرعی باتیں بھی در آئی ہیں۔ مثال کے طور پر جلوس بڑا ہوتا ہے، لوگ اپنی اپنی گاڑیوں میں چل رہے ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ انہیں گاڑیوں کے اندر تو کوئی روکنے ٹوکنے والا ہوتا نہیں، سو وہ وقت گزاری کے لئے ہلکی آواز میں میوزک وغیرہ بھی ڈال دیتے ہیں۔کچھ جگہوں پر تو عورتیں بھی شریک نظر آتی ہیں، اور اگر عورتیں جسمانی طور پر شریک نہیں ہوتیں تو ان کی جادوئی آواز تو اکثر مقامات پر شریک سفر ہوا ہی کرتی ہیں۔اللہ اللہ! جب عورتیں بلند آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتیں تو ان کی ریکارڈ کی ہوئی نعتیں سرعام سنائی جاسکتی ہیں؟ کچھ مقامات کے بارے میں تو یہ پتہ چلا کہ وہاں کے جلوس میں لوگ شرینی وغیرہ یوں پھینک کر دیتے ہیں جیسے کچھ نام نہاد مہذب لوگ شادی کی تقریبات میں چھوہارے وغیرہ پھینک کر دیتے ہیں۔اللہ اکبر! ایک تو رزق جیسی عظیم نعمت کی اتنی بڑی بے حرمتی کہ سن کر ہی کلیجہ منہ کو آئے، اوپر سے یہ بیہودگیاں ذکر میلاد کے نام پر۔سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وبحمدہٗ استغفر اللہ۔کیا خوب کہا ہے کسی نے کہ۔۔۔ش:

لوآج جشن چراغاں کی انتہا کردی۔۔۔خوشی خوشی میں یہ گھر تک جلادیا میں نے

یادرکھئے کہ آپ کے ایسے اہتمام چراغاں سے کبھی سحر نہیں ہوسکتی۔اس لئے وقت رہتے ہوش کی دوا کیجئے اور جلوس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہتمام اگر کرنا ہی چاہتے ہیں تو اسے تمام طرح کی بری بدعات اور منکرات سے پاک صاف بنایئے؛ ورنہ ہمیں یقین ہے کہ ایک دن انہی چراغوں کی تیزلو سے آپ اپنے فکروعمل کے آشیانے کوضرور جلابیٹھیں گے لیکن شاید تب تک بہت دیر ہوچکی ہوگی اور رائج شدہ یہ بدعات ومنکرات عقیدہ بن کر آپ کی آنے والی نسلوں میں سرایت کرچکی ہوں گی۔ پھر وہ لوگ اِن کے خلاف بات نہیں کریں گے بلکہ انہیں ثابت کرنے کیلئے قرآن و حدیث کی الٹی سیدھی تعبیر کرنے کی کوشش کریں گے۔ یوں ان کا ایمان تو خطرے میں پڑ ہی جائے گا، ساتھ ہی اللہ کے یہاں آپ بھی جواب دہی سے بچ نہیں پائیں گے۔

۳۔میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروگراموں میں قرآن حکیم کی تلاوت وتفسیر کو عام کرنے کی کوشش کیجئے۔ یہ ایک اچھا موقع ہے۔لوگ اس میں بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں، سواس موقع کا فائدہ اٹھایئے اور روح قرآن کو قلب مومن میں اتارنے کا ساماں کیجئے۔ پھر جناب! تزکیہ نفس کی تلاش میں آپ کوستاروں کی گزرگاہوں پر چراغاں کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی بلکہ یہ تزکیہ خودروح مومن میں مصروف چراغاں نظر آئے گا۔

۴۔میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پروگراموں میں بیان سیرت کے معاملے میں کافی احتیاط سے کام لیجئے۔ پہلے اچھی طرح غور فرمالیجئے کہ آپ جو روایات بیان کررہے ہیں وہ صحت پرمبنی بھی ہیں یانہیں۔ یہ بہت ضروری ہے۔ کیونکہ آج کل بیان سیرت میں بے احتیاطی موسم برسات کے خودرو پودوں کی طرح تیزی سے پھیل رہی ہے۔

۵۔میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انعقاد کے تعلق سے رواداری اور کشادہ نظری کا ثبوت دینا بھی بہت ضروری ہے۔یعنی جو لوگ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منعقد نہیں کرتے یا میلاد کے پروگرام میں شریک نہیں ہوتے ،انہیں لعن طعن کرنے سے ضرور بالضرور بچیئے؛ کیوں کہ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودہ ہیئت ایک بدعت حسنہ مستحبہ ہے۔اگر کوئی بندہ حسن نیت کے ساتھ شرعی حدود میں رہ کر اسے منانا چاہتا ہے تو منائے، ان شاءاللہ تعالی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ پر اظہار مسرت کے سبب وہ اپنے رب کریم کے نزدیک اجر جمیل کا مستحق ہوگا؛ اوراگر کوئی اسے نہیں منانا چاہتا تو نہ منائے، شرعی اعتبار سے اس پر کوئی پابندی نہیں؛ بلکہ یہاں بہت ممکن ہے کہ وہ بندہ اپنے معاملات میں وہی سادگی چاہتا ہو جو دورصحابہ کا خاصہ تھی۔اگر ایسا ہے تو بے شک اس بندے کا یہ جذبہ قابل تنقید نہیں، قابل تحسین ہے۔

۶۔تبرکات میں غرباء ومساکین کوضرور بالضرور شریک کیجئے۔ یہ بات میں نے خود دیکھی ہے کہ جن لوگوں نے پیسے دیئے ہوتے ہیں اُن کے نام لکھ لئے جاتے ہیں اور انہیں ہی میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہتمام میں پکائے ہوئے گوشت، چاول، مٹھائی یا بریانی وغیرہ میں حصہ دیا جاتا ہے لیکن جن لوگوں نے اپنی ناداری کے سبب پیسے نہیں دے پائے ہوتے ہیں انہیں تبرکات میں حصہ دینے کے بارے میں کوئی سوچتا تک نہیں ہے۔اللہ اللہ! یہ کیسا دین ہے؟ یہ کیسی روش ہے؟ یہ کیسا اہتمام میلاد ہے؟ آپ کا خوش پوش بچہ آپ کی انگلی تھام کر صبح تر کے محلے کی مسجد یا مدرسے میں جائے اور خوشی میں اچھلتے کودتے اپنے حصے کے تبرکات لے کر آئے اور وہیں ایک نادار شخص کا معصوم سا بچہ اپنی حسرتوں کا جنازہ اٹھتا ہوا دیکھے؟؟ ایسا اہتمام میلاد کس کام کا جناب؟ کیا لگتا ہے آپ کو! ایسے اہتمام میلاد سے کیا سعادت حاصل کرلیں گے آپ؟ خدارا! دوسروں کے حقوق پہچانیں اور خصوصیت کے ساتھ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسین موقع پر غرباء ومساکین کی دل جوئی کے ذریعے ضرور اپنے مالک ومولی کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

۷۔شرعی دائرے میں رہ کر میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اہتمام ایک اچھا اور قابل اجر عمل ہے تاہم راقم سطور کی تفہیم اور اعتقادات کے مطابق میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہتمام کی روح خود کو ''سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے سانچے میں ڈھالنے کے اندر مضمر ہے۔ بندہ لاکھ میلاد پڑھ لے، اگر اس کا کردار ہی صحیح نہیں ہے تو وہ ضرور خدا اور خلق خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔اس لئے کوشش کیجئے کہ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکتوں سے خود کو سیرت مصطفیٰ علیہ السلام کے سانچے میں ڈھال کر آپ اخلاق حسنہ کی عملی تصویر بن جائیں۔

۸۔اِس میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر کم از کم پانچ ایسی قبیح باتیں منتخب کیجئے جو آپ اپنے اندر پاتے ہیں، اور پھر خود سے یہ وعدہ کیجئے کہ یہ پانچ بری باتیں آپ زندگی میں کبھی نہیں دہرائیں گے۔آقا علیہ السلام کو شفیع بنا کر اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کیجئے کہ وہ مالک ومولی آپ کو ان بری باتوں سے بچنے کی توفیق عطا کرے۔یوں جب یہ پانچ بری باتیں آپ سے چھوٹ جائیں اور نتیجے میں پانچ خوبیاں آپ کے اندر پیدا ہو جائیں تو پھر مزید پانچ بری باتیں ترک کرنے کا عہد کیجئے اور سختی کے ساتھ اپنے عہد کا پاس رکھئے۔ان شاء اللہ تعالی ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب آپ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکتوں سے پیکر کمال بن کر چمکنے لگیں گے۔

۹۔ہم نے جلوس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق سے پہلے ہی یہ بات واضح کردی ہے کہ ہماری سمجھ کے مطابق یہ ایک خالص علاقائی تہذیب کا حصہ ہے تاہم چوں کہ علاقائی تہذیب سے متعلق تمام باتیں مطلقا ناجائز وحرام نہیں ہوتیں بلکہ اگر تہذیبی کردار شرعی اصولوں سے ہم آہنگ ہو تو وہ جائز ہوتا ہے اور اگر متصادم ہو تو ناجائز۔اور چوں کہ یہ

جلوس فی نفسہ کسی شرعی ضابطہ سے متصادم نہیں اس لئے اگر اس میں بدعات ومنکرات شامل نہ کی جائیں اور شریعت کے مزاج کا لحاظ رکھا جائے تو میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقع پر نکالا جانے والا یہ جلوس جائز ہی رہے گا۔ تاہم آج کل بعض جگہوں پر اس جلوس نے ایک خطرناک شکل اختیار کر لی ہے۔ ہم نے منکراتِ جلوس کے تئیں اوپر جو کچھ ذکر کیا، اُس کے علاوہ جلوس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک خطرناک پہلو سیاسی قائدین کا اس میں ''سرمایہ کاری'' بھی ہے۔ معاف کیجئے گا! ''سرمایہ کاری'' کا لفظ میں نے جان بوجھ کر استعمال کیا ہے۔ دراصل کچھ مقامات سے ایسی اطلاعات موصول ہورہی ہیں کہ فلاں لیڈر نے فلاں جگہ کے جلوس میں شامل تمام لوگوں کی اپنے یہاں دعوت کی ہے اور بڑا اہتمام کیا ہے۔ اس تعلق سے اس طرح کی بھی خبریں آتی ہیں کہ دو سیاسی لیڈر یا گروہوں کے درمیان جلوس کی میزبانی کو لے کر کشیدگی پیدا ہوگئی۔ ہر کوئی یہ چاہ رہا تھا کہ جلوس کی میزبانی کا شرف اُسے حاصل ہو۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ بھلا اس میں حرج کی کیا بات ہے؟ بلکہ یہ تو ایک اچھی بات ہے کہ سیاسی رہنما بھی دینی کاموں میں دست تعاون دراز کرنے لگے ہیں۔ کاش معاملہ ایسا ہی سیدھا اور اچھا ہوتا! لیکن نہیں بھائی! معاملہ اتنا بھی سیدھا نہیں ہے۔ ہر چیز میں سیاسی مفاد ڈھونڈنے والے دولت اور اقتدار کے حریص یہ لوگ جلوس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اس لئے کر رہے ہیں کہ انہیں اگلا چناؤ لڑنا ہے۔ یعنی ایسی دعوت کے ذریعے وہ یہ پرچار کر رہے ہوتے ہیں کہ میں بڑا اچھا آدمی ہوں، مجھے لوگوں کی بڑی فکر ہے، اگر آئندہ الیکشن میں مجھے کامیاب بنایا تو میں ایک مثالی رہنما بن کر دکھاؤں گا جس کی ایک مختصر جھلک یہ ہے۔ سبحان اللہ! لوگ اقتدار کے لئے کیا کیا نہیں کرتے۔ خیر! کہنے کا منشا یہ ہے کہ جلوس محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مذکورہ بالا منکرات کے ساتھ ایسے لوگوں سے بھی بچایئے، کیوں کہ ایسے بوالہوس لوگوں کے عزائم کسی بری سے بری بدعت سے کم خطرناک نہیں ہوتے ہیں۔

میزان الرحمٰن علائی

حال مقیم: ہٹ بے، جزیرہ انڈمان۔

۲۶ر محرم الحرام ۱۴۴۳ھ / ۵ر ستمبر ۲۰۲۱ء

شب گیارہ بج کر بتیس منٹ

مراجع وماخذ:

(1) السورۃ: یونس، الآیۃ: ۵۸۔ الجزء: ۱۱۔

(2)السورۃ:الانبیاء،الآیۃ:۱۰۷،الجزء:۱۷۔

(3)السورۃ:البقرۃ،الآیۃ:۶۴۔الجزء:۱۔

(4)واحدی،ابوالحسن علی بن احمد بن محمد بن علی شافعی نیشاپوری۔ **التفسیر البسیط. الجزء الأل** ۔درتفسیر: سورۃ البقرۃ،آیت:۶۴۔مطبوعہ: عمادۃ البحث العلمی، جامعہ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ۔وزارۃ التعلیم العالی،المملکۃ العربیۃ السعودیۃ۔سن اشاعت:۱۹۳۰ھ۔

(5)السورہ:المائدۃ،الآیۃ:۱۱۴،الجزء:۷۔

(6)السورۃ:ال عمران،الآیۃ:۱۶۴۔الجزء:۴۔

(7)السورۃ:والضحی،الآیۃ:۱۱۔الجزء:۳۰۔

(8)مسلم،ابن الحجاج۔ **الصحیح، کتاب: الصوم،باب: استِحباب صِیامِ ثلاثۃ ایام مِن کل شھر وصومِ یومِ عرفۃ وعاشوراء والِاثنینِ والخمِیس**۔الرقم:۱۱۶۲۔

(9)ابن منظورافریقی،ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن علی مصری۔ **لسان العرب** ۔حرف:بدع۔ص: ۲۳۰۔مطبوعہ: دارالمعارف،قاہرہ،مصر۔

(10)نووی،ابوزکریا یحیی بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام۔ **تھذیب الاسماء و اللغات**۔ج:۳،ص:۲۲۔مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔سن اشاعت: ندادر۔

(11)سیوطی،جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان۔ **حقیقۃ السنۃ والبدعۃ: الأمر بالاتباع والنھی عن الابتداع**۔ص:۹۲،مطبوعہ: مطابع الرشید،مدینہ منورہ۔سن اشاعت:۱۴۰۹ھ۔

(12)عینی، بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسی بن احمد بن حسین بن یوسف بن محمود۔ **عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری . کتاب: التراویح، باب: فضل من قام رمضان** ۔ج:۱۱،ص:۱۲۶۔مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان۔

(13)سیوطی،جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان۔ **حقیقۃ السنۃ والبدعۃ: الأمربالاتباع والنھی عن الابتداع**۔ص:۹۲،۹۳۔مطبوعہ: مطابع الرشید،مدینہ منورہ۔سن اشاعت:۱۴۰۹ھ۔

(14)ذہبی،ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان۔ **التمسک بالسنن والتحذیر من البدع**۔ص: ۹۸۔مطبوعہ: الجامعۃ الاسلامیۃ، مدینہ منورہ۔سن اشاعت:۱۴۱۶/۱۴۱۷ھ-۱۹۹۶/۱۹۹۷ء۔

(15)نووی،ابوزکریا یحیی بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام۔ **تهذيب الاسماء و اللغات**۔ج:۳،ص:۲۲۔مطبوعہ:دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔سن اشاعت:ندادر۔

(16)ابن ماجہ،ابوعبداللہ محمد بن یزیدربعی قروینی۔**السنن. أبواب: المساجد والجماعات،باب: في فضل الجمعة**۔۲/۱۸۵،الرقم:۱۰۸۴۔مطبوعہ:مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔سن اشاعت:۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء۔

(17)ابن ماجہ،ابوعبداللہ محمد بن یزیدربعی قروینی۔ **السنن. أبواب: المساجد والجماعات. باب: في فضل الجمعة**۔۲/۱۹۷،الرقم:۱۰۹۸۔مطبوعہ:مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔سن اشاعت:۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء۔

(18)ابونعیم،احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسی بن مہران اصفہانی۔**حلية الاولياء و طبقات الاصفياء**۔ج:۶،ص:۳۸۲۔مطبوعہ:دارالفکر، بیروت، لبنان۔سن اشاعت:۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء۔

(19)قرطبی،ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری اندلسی مالکی۔ **الجامع لاحكام القرآن**۔ج:۱۳، ص:۶۴،مطبوعہ:مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان۔سن اشاعت:۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء۔